McGill University Library
3 103 249 598 H
ISLAMIC
PK1971
A62
1941

ALU .A13406kh
.1941
INSTITUTE
OF
ISLAMIC
STUDIES
46362 ★
McGILL
UNIVERSITY

Library
Institute of Isl
Library
Institute of Islamic Stud
JUL 20 1970

Library
Institute of Islamic Studies JUL 20 1970

Khutbah-i Sadarat

خطبۂ صدارت

(یومِ اُردو)

سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام - لاہور

۱۹۴۱

(۱۲ / اپریل سنہ ۱۹۴۱ء)

'Abd-ul Haqq

از جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) دہلی

3364608
islm

A L U
A 13406 Kh
1941

آپ کی انجمن نے چند سال سے اپنے سالانہ جلسے کے پروگرام میں اُردو کے لیے بھی ایک دن رکھا ہے۔ یہ بہت مبارک خیال ہے۔ آپ کا صوبہ تقریباً سو سال سے اُردو زبان کی پرورش اور خدمت کر رہا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے اس نے وہ کام کیا ہے جو ہندستان کے کسی دوسرے صوبے کو نصیب نہیں ہوا۔ یعنی اس نے اپنی وسیع قلمرو میں لسانی اتحاد پیدا کر دیا ہے۔ اس کی سچّی قدر ہمیں اب ہوئی ہے۔ جبکہ دوسرے صوبے اختلاف اور افتراق بڑھا رہے تھے، آپ اختلاف مٹا کر اتحاد پھیلا رہے تھے۔ جبکہ دوسرے صوبے ہماری تہذیب اور زبان کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے آپ ان کی بنیاد اور مستحکم کر رہے تھے۔ یہ معمولی کام نہ تھا۔ آپ نے اور آپ کے اسلاف نے اس مہم کے سر کرنے میں جو محنت اور مشقت اور جان کاہی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جو قربانیاں کی ہیں وہ کسی حال میں بھلائی نہیں جا سکتیں۔

لیکن بدقسمتی سے اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ اب اس کی ترقّی

46362

کا اتنا فکر نہیں جتنا اس کی حفاظت اور مدافعت کا ہے۔ ہمارا حال اس وقت اس شخص کا سا ہے جسے کتابوں کے نادر اور قلمی نسخوں کے جمع کرنے کی دُھن ہوتی ہے۔ وہ جگہ جگہ مارا مارا پھرتا ہے اور طرح طرح کی صعوبتیں جھیلتا ہے اور جہاں کہیں کسی نادر نسخے کا سُراغ لگتا ہے، فوراً وہاں پہنچتا ہے۔ خوشامد سے، حیلے سے، روپیہ پیسہ صرف کرکے اسے حاصل کرتا ہے۔ اس طرح زندگی کا بڑا حصّہ اور عمر بھر کی کمائی اُس میں لگا دیتا ہے۔ جب ایک مدّت کے بعد ایک بیش بہا اور بڑا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے تو اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور پھُولا نہیں سماتا۔ لیکن معًا اسے ایک دوسرا فکر لاحق ہو جاتا ہے وہ سوچتا ہے کہ اس انمول خزانے کا جمع کرنا بیشک بہت کٹھن اور دشوار تھا اور میں اس دشواری پر غالب آگیا لیکن اب اس کی حفاظت اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ گرد و غبار، آب و ہوا کے اثر، کیڑوں اور دیمک کی یورش اور شریف چوروں کی نظرِ بد سے اس کا بچانا آسان نہیں۔ اب باقی عمر ان سب کے مقابلے اور مدافعت میں بسر کرنی ہوگی۔ اس خیال سے اس کی خوشی آدھی رہ جاتی ہے۔ یہی حال اب ہمارا ہے۔ سالہا سال نسلاً بعد نسلٍ ہم نے اپنی زبان

کی نشو و نما اور اشاعت و ترقی میں کوشش کی اور عین اس وقت جبکہ ہم اسے علم و ادب سے اور زیادہ مالا مال کرنا چاہتے تھے، ہمیں اس کے بچاؤ کی پڑ گئی۔ بچاؤ بھی کس سے؟ اُن سے جو اس کی پرورش اور ترقی میں برابر کے شریک تھے۔ غیر سے مقابلہ اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اپنوں سے۔ اور یہ سخت سانحہ ہے۔ اس سے ملک میں ہیجان پیدا ہو گیا ہے، تعلقات میں فرق آ گیا ہے اور اختلاف کا ایک ایسا سوتا کھُل گیا ہے جو بند ہوتا نظر نہیں آتا۔

اے اہل پنجاب! ہم آپ کی طرف سے مطمئن تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اور صوبوں میں کچھ بھی ہو مگر آپ اس غیر معقول شورش سے محفوظ ہیں کیونکہ آپ نے مدّتِ دراز کی کوشش سے ایسا لسانی اتحاد پیدا کر لیا ہے کہ وہ معمولی مخالفتوں سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ آندھی جو آپ کے پڑوسی صوبوں میں زور شور سے چل رہی ہے اس کی سرسراہٹ یہاں بھی محسوس ہو رہی ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے فطری استقلال اور ہمّت سے اس کے روکنے کے لیے سینہ سپر ہو جائیں گے اور اس طوفان بے تمیزی کو اپنے

صوبے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

اس مہینے کے ایک مشہور ہندی رسالے میں جو بنارس سے شایع ہوتا ہے ایک مضمون پنجاب کے ہندی اُردو جھگڑے کے متعلق نکلا ہے۔ پنجاب کے متعلق اس میں وہی باتیں ہیں جو آپ بار بار اخباروں میں پڑھ چکے ہیں اور ان کا اعادہ فضول ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پنجاب میں ہندی کوئی زبان ہی نہیں اور اس لیے اس پر بحث کرنا ہی غیر ضروری ہے۔ ریاست ٹراونکور میں بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ وہاں بھی ہندی کے حامیوں نے حکومت پر زور ڈالا کہ ہندی مدارس میں رائج کی جائے۔ حکومت نے صاف جواب دے دیا کہ ہندی یہاں کی زبان نہیں اس لیے داخل نصاب نہیں کی جاسکتی۔ یہ تو ہوا پنجاب کے متعلق۔ لیکن اس مضمون میں مضمون نگار نے عجیب منطق سے کام لیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندستان میں مسلمانوں کی آبادی نو کروڑ بتائی جاتی ہے۔ ان میں اُردو بولنے والوں کی تعداد صرف لاکھوں کے اندر ہے کیونکہ عربی، فارسی یا اُردو پڑھے لکھے مسلمان زیادہ تر شہروں ہی میں رہتے ہیں اور دیہات کے مسلمان سب ہندی بولتے ہیں۔ اس سے کئی نتیجے نکلتے ہیں ایک تو یہ کہ اُردو

مسلمانوں کی زبان ہے دوسرا یہ کہ صرف شہروں کے مسلمانوں کی زبان ہے اور تیسرا یہ کہ باقی تمام آبادی کی زبان جس میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہیں، ہندی ہے۔

ہندی والوں نے عجب تماشا کر رکھا ہے۔ پہلے تو انھوں نے یہ الزام دینا شروع کیا کہ مسلمان اُردو کو مسلمانوں کی زبان کہتے ہیں اور اس پر بہت غم و غصہ کا اظہار کیا۔ چونکہ یہ سراسر بہتان تھا اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد دوسری چال یہ تھی کہ خود ہی یہ کہنا شروع کیا کہ اُردو مسلمان کی زبان ہے اور ہندی ہندوؤں کی۔ چنانچہ اس رسالے کے اسی مضمون میں لکھا ہے کہ "بدقسمتی سے ہندی ہندوؤں کی اور اُردو مسلمانوں کی زبان سمجھی جانے لگی ہے"۔ جب یہ بھی کافی نہ ہوا تو ایک نیا شگوفہ یہ چھوڑا گیا ہے کہ اُردو صرف شہروں کے چند لاکھ مسلمانوں کی زبان ہے، باقی ملک کی زبان ہندی ہے۔ آج کل پروپیگنڈے کا زمانہ ہے اور پروپیگنڈے میں ہر قسم کی غلط بیانی جائز سمجھی گئی ہے۔ ان باتوں کی تردید کرنا تضیع اوقات ہے۔ میں اُن سے صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جب انگریزی عہد میں فارسی کی جگہ اُردو عدالتی، دفتری اور تعلیمی زبان قرار دی

گئی تو اس وقت یہ صاحبزادی (ہندی) کہاں تھیں؟ اس وقت کوئی مُنہ سے نہ پھوٹا کہ اُردو نہیں ہندی ہونی چاہیے۔ اور کہتا کس مُنہ سے کوئی زبان ہوتی بھی۔

اب آپ ہندی کی حقیقت سُنیے۔ ہندی کوئی ایک زبان نہیں۔ ہر صوبے اور علاقے اور مختلف اضلاع میں الگ الگ ہے۔ میرٹھ اور دہلی کے دیہات کا آدمی اودھ کے دیہات کی بولی نہیں سمجھ سکتا اور اودھ کے دیہات والے کے لیے بہار کے دیہات کی بولی ناقابل فہم ہے۔ بہار کے ایک علاقے کا دیہاتی دوسرے علاقے کے دیہاتی کی زبان سمجھنے سے قاصر ہے۔ غرض آگرہ اور متھرا کے دیہات کی بولی سمجھنے کے لیے برج بھاشا؛ اودھ کے دیہات کے لیے اودھی یا پوربی؛ حصار، رہتک کے لیے ہریانی؛ بھگیلکھنڈ (سنٹرل انڈیا) کے لیے بھگیلی؛ کانپور، فتح گڑھ، اٹاوہ، بریلی، علی گڑھ کے دیہات کے لیے قنوجی؛ بنارس، غازی پور، آرہ کے لیے بھوج پوری؛ بندھیلکھنڈ کے لیے بندھیلکھنڈی؛ مالوہ کے لیے ہروٹی؛ اُجین کے لیے اُجینی؛ مارواڑ کے لیے مارواڑی؛ بیکانیر کے لیے بیکانیری؛ بہار اور پٹنہ کے دیہات کے لیے مگدھی؛ اودے پور کے لیے اودے پوری؛

جے پور کے لیے جے پوری ؛ بھٹا نیر کے لیے بھٹا نیری ؛ ترہت، پورنیہ، بھاگلپور اور مونگیر کے لیے ترہتی اور میتھلی جاننے کی ضرورت ہے۔

اب اس پر یہ دعویٰ کہاں تک معقول ہو سکتا ہے کہ ہندی سب دیہات میں سمجھی جاتی ہے اور اُردو کہیں نہیں سمجھی جاتی۔ اُن کی مراد کونسی ہندی سے ہے ؛ غالباً اُن کی مراد اس نئی مصنوعی ہندی سے ہے جو حال ہی میں گھڑی گئی ہے اور وہ بھی اُردو کے طفیل میں اور اُسی کے قالب پر ڈھال کر۔ اور بنی تو ایسی کہ وہ نہ دیہاتی رہی نہ شہری۔ گاندھی جی نے اس ہندی کی بہت صحیح تعریف کی ہے کہ یہ وہ زبان ہے جو کتابوں میں ہے اور بول چال میں نہیں۔ اب اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ وہ کہاں سمجھی جا سکتی ہے۔ برخلاف اس کے اُردو کتابی زبان بھی ہے اور بول چال کی بھی اور اس لیے ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے اُن دیہاتی جلسوں کو بھی دیکھا ہے جہاں اُردو اور اس نئی ہندی دونوں کے مقرّر تھے۔ جب ہندی مقرّر نے اپنی نئی ہندی میں تقریر شروع کی تو دیہاتیوں نے حُقّے گڑگڑانے شروع کر دیے! برخلاف اس کے اُردو کی تقریر

انھوں نے خاصی توجہ سے سُنی۔ ہم نے اُردو اور ہندی کے مشاعرے بھی دیکھے ہیں اور جن صاحبوں کو اُن کے دیکھنے کا اتفاق ہُوا ہے انھیں معلوم ہے کہ اُردو مشاعروں میں جتنی رونق اور چہل پہل ہوتی ہے کوی سمّیلنوں میں اتنی ہی بے رونقی اور اُداسی چھائی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ ہندی اور اُردو کے مشہور ادیب پنڈت پدم سنگھ شرما مرحوم نے آل انڈیا ہندی ساہتیہ سمّیلن مظفر پور کی تقریر میں بیان کی ہے جو یہ ہے:

"اُردو شعرا نے حالی کے رنگ کو اپنا لیا ہے بلکہ اُسے اور چمکا دیا ہے۔ اُردو اخبارات میں دیس بھگتی (حب وطن) اور معرفت کی جو نظمیں نکلتی ہیں وہ پڑھنے والے..... کو اپنی طرف کھینچتی ہیں، دل پر اثر کرتی ہیں، بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ ہندی کی نئی رچناؤں (نظموں) میں یہ بات ابھی نہیں آئی ..... اُردو والے شعروں میں جذبات وخیالات کا نیا پن بھرتے ہیں۔"

خیر سے، اس پر یہ دعویٰ ہے کہ ہندی سارے ملک کی زبان ہے اور اس کے حامی اسے پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، ملیبار وغیرہ میں پھیلانے کا دم خم رکھتے ہیں۔ ہندی اُردو کی

بحث میں صرف ایک بات کا یاد رکھنا کافی ہے۔ ہندی بیسیوں ہیں اور اُردو ایک ہے جو ہندستان کے ہر علاقے میں بولی یا سمجھی جاتی ہے بلکہ ہندستان کے باہر بھی اس کے قدردان موجود ہیں۔ اس نے براعظم ہندستان کو جو ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا ایک کر دیا اور سب سے پہلے ایک قومیت کی بنیاد ڈالی اور ہندی کی بھونڈی بولیوں کو ملا کر جھاڑ جھٹکاڑ کو چھانٹا، مشترک حصّے کو قائم رکھا اور باہر کے خوبصورت، ضروری اور تمدّنی الفاظ کا اس میں اضافہ کیا، جس سے ایک ایسی مہذّب اور پاکیزہ زبان وجود میں آگئی جو نہ صرف ہندستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں ایک عجیب واقعہ ہے۔ ایک ایسی شایستہ لچکدار، پُرلطف اور بھرپور زبان کو چھوڑ کر ایک ان گھڑ، کرخت، بے لُطف اور ملغوبا بولی کے اختیار کرنے کی رائے دینا سراسر ناعاقبت اندیشی اور مجنونانہ فعل ہے۔

یہ سب جانتے ہیں اور موافق، مخالف، غیر جانبدار سب نے اسے تسلیم کیا ہے کہ اُردو زبان ہندو مسلمانوں کے میل جول سے بنی اور ہمارے ملک کی مشترکہ زبان ہے۔ لیکن اب ہمارے نئے قوم پرست اس سے بُرا مانتے ہیں۔

چنانچہ پنڈت سمپورنانند جی اپنے پونا والے صدارتی خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ کم سے کم یکت پرانت (صوبہ متحدہ) کی ماتر بھاشا (مادری زبان) تو اُردو ہے۔ میں اسے نہیں مان سکتا۔ ہمارے سامنے کچھ ہندو مورتیاں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور اُن کے مُنہ سے یہ کہلا دیا جاتا ہے کہ اُن کے گھروں کی بھاشا اُردو ہے۔"

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ پنڈت جی نے اُن نیک نفس اور سچّے لوگوں کی جو باوجود مخالفت اور سوسائٹی کے دباؤ کے سچ بولنے میں دریغ نہیں کرتے، نہایت رکیک الفاظ میں تحقیر اور توہین کی ہے اور اُن کو ریاکار اور منافق ہونے کا الزام دیا ہے حالانکہ اُن میں ایسے ایسے بزرگ ہیں جو اخلاقی جُرأت، علم وفضل اور شرافت نفس میں سمپورنانند جی سے کہیں برتر اور افضل ہیں۔ پنڈت جی کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو اُن کے باپ دادا اُردو بولتے آئے ہوں اور گو اُن کے گھروں میں اُردو بولی جاتی ہو اور خود اُردو بولتے ہوں لیکن کہنے کو یہی کہیں کہ ہماری "ماتر بھاشا"

ہندی ہی اُردو نہیں۔ ریاکاری یہ ہی یا وہ۔ کون نہیں جانتا کہ ہزاروں نہیں لاکھوں ہندوؤں کے گھروں میں اُردو بولی جاتی ہی لیکن سمپورنا نندجی اوراُن کے ہم خیال اصحاب کو ہرگز یہ گوارا نہیں کہ کوئی ہندو یہ کہے کہ میری مادری زبان اُردو ہی یا میرے گھر میں اُردو بولی جاتی ہی۔ یہ اُس شخص کا قول ہی جو ہمارے ملک کا ممتاز لیڈر ہی، انڈین نیشنل کانگرس کا رُکنِ رکین ہی، صاحب علم ہی اور کچھ دنوں پہلے وزیرِتعلیم رہ چکا ہی۔ وہ اوروں کو بھی اپنا ہی سا سمجھتا ہی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہی:-

اُنھوں نے بارہا شکلیں کبھی دیکھیں نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم تبلائیں گے اُن کو

آپ نے ہندی کی حقیقت سُن لی اور اس کے حامیوں کے دعوے بھی سُن لیے۔ اصل یہ ہی کہ یہ ہندی بولیاں گیتوں، بھجنوں، عشقیہ بیتوں کے لیے خوب تھیں۔ تہذیب وتمدّن کی ضروریات اُن سے پوری نہیں ہوسکتی تھیں۔ ایک ایسی تہذیب اور تمدّن کی ضروریات کے لیے جو دونوں قوموں کی یکجائی اور یگانگت، محبّت اور خلوص سے پیدا ہُوا تھا ایک

ایسی ہی زبان کی ضرورت تھی جو دونوں کی زبانوں اور دونوں کی تہذیبوں سے مل کر بنی ہو۔ چنانچہ وہی ہوا جو فطرت کا تقاضا تھا اور اس زبان کا چلن اب تک ہے۔ لیکن ملک کی بدقسمتی کہ انگریزی تسلط کے بعد بعض اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں، ہندی والوں کو ایک نئی قومیت کی سوجھی جس کی بنیاد قدیم تہذیب اور قدیم مذہب اور زبان پر تھی۔ اس نئی قومیت کے لیے نئی زبان کی ضرورت داعی ہوئی کیونکہ قومیت کا رشتہ زبان ہی سے مضبوط ہوتا ہے۔ اب انھوں نے اُن علاقوں میں جہاں ہندی بولیاں رائج تھیں، ایک نئی مصنوعی ہندی کو رفتہ رفتہ داخل کرنا شروع کیا اور اُردو کو وہاں سے نکالنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ملک میں تفرقہ پردازی بلکہ خانہ براندازی کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔

اوّل اوّل یہ مخالفت یوپی اور بہار تک محدود رہی کیونکہ ہندی بولیاں صرف یہیں بولی جاتی تھیں۔ دوسرے علاقوں اور صوبوں میں نہ کہیں بولی جاتی تھیں اور نہ سمجھی جاتی تھیں۔ شروع شروع میں یہ مخالفت کچھ زیادہ کارگر نہ ہوئی۔ یوں سمجھیے کہ جیسے کسی تالاب پر ہوا چلتی ہے تو کچھ لہریں اور بُلبُلے پیدا

ہو جاتے ہیں، کبھی کبھی تلاطم بھی آیا، پر وہ بھی کچھ دیر کے بعد ہوا ہوگیا۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوتا کہ اس میدانِ کارزار میں ایک مقدّس ہستی نمودار ہوئی جس نے صورتِ حال کی کایا پلٹ کر دی۔

ملک پر اس بزرگوار کے بہت احسان ہیں۔ اس نے سیاسیات، معاشرت، اقتصادیات میں بڑا انقلاب کر دیا۔ قدرت نے اُسے خاص قسم کا دماغ عطا کیا ہے۔ اس کا ذہن رسا، اس کی نظر دوربین اور اس کا ارادہ اٹل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی فکر کا رستہ گو بظاہر صاف اور سیدھا ہے لیکن بباطن پیچ در پیچ ہے۔ وہ اتفاق آباد جانے کا عزم کرتا ہے تو چلتے چلتے نفاق نگر پر جا نکلتا ہے۔ وہ وصل کا طالب ہے لیکن داخل ہوتا ہے فصل کے دروازے سے۔ وہ ایکے کا آرزو مند ہے لیکن وہاں تک پہنچتا ہے پھوٹ کے توسّل سے۔ میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہتا۔ دلوں کا جاننے والا خدا ہے۔ لیکن جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے انسان اپنے اعمال سے جانا جاتا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب کبھی ایسا موقع آیا کہ سالہا سال کی گتھیاں اور پیچیدہ مسائل فریقین نے باہمی مشورے اور مصالحت سے

سلجھا لیے اور یہ امید بندھ گئی کہ اب نفاق کی گھٹا چھٹنے والی ہی اور آفتابِ اتحاد افق سے طلوع ہونے والا ہی، تو تنت پر اس مقدّس ہستی نے سر ہلا کر برسوں کی محنت خاک میں ملا دی۔ پھر بہتیرا سر مارا، ہزار جتن کیے، نہ ماننا تھا نہ مانا۔

ہمارے ملک میں تین ہٹیں مشہور ہیں۔ راج ہٹ، تریا ہٹ اور بالک ہٹ۔ لیکن حضرات، ایک چوتھی ہٹ اور بھی ہی، اور وہ ہی ــــ لیڈر ہٹ۔ وہ لیڈر ہی کیا جو دوسرے کی مان جائے۔ مرزا داغ نے اپنے خاص انداز میں ایک بہت ہی پُر لطف اور صاف ستھرا شعر کہا ہی۔ کہا تو ہی اپنے محبوب کی شان میں لیکن صادق آتا ہی ہمارے ملک کے سب سے محبوب ڈکٹیٹر لیڈر پر۔

اتنی ہی تو بس کسر ہی تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا

مشکل یہ آپڑی ہی کہ وہ ہر مسئلہ کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہی جس سے ایک ہی رُخ نظر آتا ہی؛ دوسرا رُخ نہ وہ دیکھتا ہی اور نہ اُس کی اُسے پروا ہی۔ اگر کوئی شخص کانا ہو اور وہ ایک آنکھ سے دیکھے وہ قابلِ الزام نہیں لیکن جس کی اچھی خاصی دو آنکھیں ہوں اور وہ ایک ہی آنکھ سے دیکھے تو وہ بلاشُبہہ قابلِ الزام ہی۔

اس طرزِ عمل سے ملک کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور باتوں سے تو خیر مجھے کوئی غرض نہیں وہ بڑی طولانی داستان ہے لیکن ہماری زبان پر جو کاری ضرب اس نے لگائی ہے اس کا زخم ایسا گہرا ہے کہ اس کا بھرنا اب خود اس کے بس کی بات نہیں رہی۔ آج تک کسی نے ہماری زبان پر ایسا بیجا، غلط اور دل آزار حملہ نہیں کیا تھا جیسا اس مقدّس بزرگ نے کیا۔ اس کی دُور بیں نظر نے بہت پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ ہندستان کی موجودہ حکومت رہنے والی نہیں ہے اور رہی تو اس کی یہ صورت نہیں ہوگی۔ وہ رام راج کے میٹھے سپنے دیکھ رہا تھا اور ظاہر ہے کہ رام راج کی زبان ہندی ہی ہوسکتی ہے اُردو نہیں ہوسکتی اس لیے اس نے ہندی کی اشاعت کو نصب العین بنایا۔ اس مسئلے میں اس کا ہاتھ ڈالنا تھا کہ ملک میں اِس سرے سے اُس سرے تک ہل چل مچ گئی اور ایک ایسے نئے فساد کی بنیاد قائم ہوگئی جو دن بدن بڑھتا اور پھیلتا جاتا ہے۔ سیاسی مسائل جن کو آج کل اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ سیاسیات سے ہر ایک کو دلچسپی نہیں ہوتی اور نہ ہر شخص سیاسی مسائل سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن زبان کی بات اور ہے۔ اس کا تعلّق چھوٹے بڑے، امیر غریب، عالم

عامی سب سے یکساں ہی۔ وہ ان کے جسم وجاں کا جزو ہی جو کسی حال میں اُن سے جدا نہیں ہو سکتا۔ زبان پر جو چوٹ پڑتی ہی وہ زبان پر نہیں پڑتی، دلوں پر پڑتی ہی اور چوٹ کھائے ہوئے دلوں سے ڈرنا چاہیے۔

حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ بھری ہی

سیاسی مسائل خواہ کتنے ہی اہم اور کیسے ہی ضروری کیوں نہ ہوں کبھی خاطر خواہ حل نہ ہوں گے جب تک زبان کا مسئلہ حل نہ ہوگا۔ افسوس اس کا ہی کہ یہ فساد وہاں سے پھوٹا جہاں ملک بھر کے مسائل طے ہوتے ہیں اور یہ زہر اُس زبان سے نکلا ہی جو سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ دل لُبھانے والی ہی۔

حضرات۔ آج کل ہندستان کی تقسیم کے متعلق اخباروں میں بڑی گرم اور تند و تلخ بحثیں ہو رہی ہیں۔ میں نے کبھی سیاست میں دخل نہیں دیا اور نہ میں اس کی صلاحیت رکھتا ہوں اس لیے مجھے اس کے عیب وصواب پر بحث کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن حیرت اس بات پر ہی کہ جو لوگ جغرافی تقسیم پر اس قدر غم و غصّہ کا اظہار فرماتے ہیں، انھوں نے کبھی دلوں کی تقسیم کا بھی خیال کیا ہی؟ دلوں کو توڑ کر انھیں جغرافی حدود سے جوڑنا سعی لاحاصل ہی۔ کیا وہ دل جن میں پھوٹ پڑ چکی ہی، پہاڑوں، دریاؤں اور

جنگلوں سے گھیر کر ایک کیے جا سکتے ہیں ؟ اگر دل ایک ہیں تو ایک نہیں بیس تقسیمیں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ لیکن اگر دل ایک نہیں تو جغرافی حدود کے تعین کی بہتر سے بہتر تجویز بھی انھیں ایک نہیں کر سکتی۔ اس لیے جو لوگ ملک کے سچے بہی خواہ ہیں اُنھیں ملک کی تقسیم پر بحث کرنے سے پہلے دلوں کی تقسیم پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ اور اس پر غور کرتے وقت سب سے پہلے زبان کے مسئلہ پر غور کرنا پڑے گا۔

جو شخص کسی ملک یا قوم میں پھوٹ ڈالتا ہے وہ بڑا ظالم ہے۔ اور اگر بدقسمتی سے وہ ذہین اور تیز فہم بھی ہے تو ملک و قوم کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ زبان کی پھوٹ سب سے بڑی پھوٹ ہے، اور اس لیے سب سے بڑا ظلم ہے۔ یہ وہ قہر ہے جو خدا کی طرف سے اہل بابل پر نازل ہوا تھا اور آج ہندستان پر نازل کیا گیا ہے۔

دوستو! زبان اپنے بولنے والوں سے اس طرح وابستہ ہے کہ وہ کسی وقت اور کسی حال میں اُن سے جدا نہیں ہو سکتی۔ اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر وقت ان کی ہمدم ہے۔ ان کی تہذیب اور تعلیم و تربیت کا یہی ذریعہ ہے۔ زبان کا حشر وہی ہوگا جو اس کے بولنے والوں کا ہوگا۔ اس کا بنانا اور بگاڑنا ہمارے

ہاتھ میں ہی۔ گزشتہ زمانہ میں جیسا ہم نے اُسے بنانا چاہا ویسی ہی بنی اور آیندہ بھی جیسا اُسے بنانا چاہیں گے ویسی ہی بنے گی۔ اس کے بگڑنے میں ہمارا بگڑنا اور اس کے بننے میں ہمارا بننا ہی۔ اس لیے آپ سب سے پہلے اس کی خبر لیجیے اور اسے مخالفوں کی زد سے بچائیے اور سچے دل سے عہد کیجیے کہ آپ اس پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ ہماری زبان کے خلاف خفیہ اور علانیہ، دانستہ یا نادانستہ جو ریشہ دوانیاں اور منظم سازشیں ہو رہی ہیں اس کا علم شاید آپ کو ہو یا نہ ہو لیکن بدنصیبی سے میں کچھ کچھ جانتا ہوں۔ اس لیے میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے اپنی زبان کی حفاظت اور ترقی میں اُسی مستعدی اور سرگرمی، اُسی جوش اور ہمّت، اور اُسی خلوص اور ایثار سے کام نہ کیا جو آپ کے حریف کر رہے ہیں تو یاد رکھیے کہ ہمارے ملک کی قسمت میں ذلّت و غلامی کا ایک ایسا طوق رکھا ہی جس کے بوجھ سے ہماری گردنوں کے منکے ٹوٹ جائیں گے اور ہمارے دل و دماغ پاش پاش ہو جائیں گے۔

پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

Author 'Abd.
Title Khuṭba
ALU .A1340